R. No. 2196/57 Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون - ۶۹
قیمت تین پیسہ
فی پرچہ ...

تاریخ اشاعت
۲۲-۴-۱۹۶۶

جلد ۲۵ - شمارہ ۱۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء

اداریہ

اقبال کی یاد میں

۲۱ اپریل کو ہر سال یومِ اقبال منایا جاتا ہے۔ اقبال کا انتقال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا تھا۔ آج اس واقعہ کو اٹھائیس برس ہو گئے۔ مشاہیر کی یاد کے لیے ان کا جنم دن زیادہ موزوں ہے۔ اس لیے ہماری رائے یہ ہے کہ اقبال کی یاد ان کی موت کے دن نہیں ان کی پیدائش کے دن منانی چاہیے۔

آزادی کے بعد اقبال کے ساتھ عجیب سلوک ہوا ہے۔ ہندوستان میں کچھ لوگ اقبال کی سیاست کی وجہ سے ان کی شاعرانہ عظمت کو بھی نظر انداز کرنے لگے ہیں۔ پاکستان میں ان کی سیاست کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ ان کی شاعرانہ عظمت محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اقبال شاعر تھے۔ سیاست داں نہ تھے۔ شاعری میں وہ دنیا کے بڑے شاعروں کی صف میں ہیں۔ سیاست دانوں میں ان کا شمار پیادوں کی صف میں بھی نہیں۔ ان کی شاعری کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لیے ان کے سارے خیالات سے اتفاق ضروری نہیں۔ یہ دیکھنا کافی ہے کہ ان میں کتنا خلوص، کتنی گہرائی اور کتنی آفاقیت ہے اور وہ کس طرح ادا ہوئے ہیں۔ ایک زمانے تک فلسفی اقبال پر اتنا زور تھا کہ دوسرے پہلو کچھ مدھم پڑ گئے تھے۔ اب ان کی سیاست کو اتنا اچھالا گیا ہے کہ ان کی شاعری پر زد پڑنے لگی ہے۔ یہ بات کسی طرح درست نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں اس شاعر کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اقبال کے فلسفۂ خودی، اس کے عشق کے تصور، فنونِ لطیفہ کے متعلق اس کے نظریات، صوفی و مُلّا کے متعلق اس کے خیالات، اس کی ارضیت، حرکت، عمل اور جدوجہد پر اس کا اصرار، ارتقا پر اس کا ایمان، دھرتی سے اس کی محبت، غیرت و حمیت، بلند نگاہی اور فقر غیور یہ اس کا عقیدہ، آج بھی ہمارے لیے مسرت و بصیرت کا سامان رکھتا ہے۔ اس کی تشبیہیں، استعارے، اس کی رمزیت، اس کی بلاغت، اس کا پیرایہ، کا ساتر شاہوا اسلوب، اس کی فراست و شوکت، اس کی الفاظ پر فتح آج بھی ہمارے لیے بڑی دولت ہے۔ مغرب کے خلاف اس کا اعلانِ جنگ غلط معنی میں لیا گیا ہے یہ مغرب کے علم و حکمت کے خلاف نہیں، اس کے سرمایہ دارانہ تمدن اور اس کی کھلی مادی اقتدار کے خلاف ہے۔ اقبال جدید و قدیم کو دلیل کم نظری سمجھتا ہے اور حیات کے تسلسل پر ایمان رکھتا ہے۔ مغرب سے مرعوبیت کے دور میں اقبال کا اعلانِ جنگ ایک نئی مشرقیت کے لیے تھا۔ مگر اس نئی مشرقیت کو مغرب سے بھی بہت کچھ لینا ہے، اسے قیدِ مقام سے آزاد ہونا ہے۔ اقبال علوم تازہ کی سرمستیوں کو گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی نظر کوفہ و بغداد کی طرف نہیں، تازہ بستیوں کی طرف تھی۔ ہندوستان کے لیے صرف دورِ اول کا اقبال ہی نہیں آخری دور کا اقبال بھی اہمیت رکھتا ہے جس میں اس نے شعاعِ امید جیسی نظم لکھی۔ اقبال نے قومیت کے صحت مند امکانات پر غور نہیں کیا، وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ سچی بین الاقوامیت قومیت کی اینٹوں پر ہی تعمیر ہو سکتی ہے، مگر اقبال کے کلام میں آفاقیت ہے، اس میں اس دور کے انسان کے درد و داغ کی تصویر ملتی ہے۔

اس شمارے میں

ان کے مطالعے سے ہم ایک طرف آسمانوں پر نظر جما سکتے ہیں اور دوسری طرف زمین پر سیدھے ہموار چلنا بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہندستان میں میر و غالب کو ماننے والے اقبال کو نظر انداز نہیں کر سکتے، اسی طرح پاکستان میں اقبال کے پرستاروں کو چاہیے کہ وہ اس چمن کو نہ بھولیں جس کی ایک بہار اقبال کے کلام میں ملتی ہے بڑا شعر و ادب کسی ملک کی جاگیر نہیں انسانیت کی امانت ہے اس لیے اقبال کو تقسیم کرنے کی کوشش غلط ہے بقول سر تیج بہادر سپرو مرحوم اردو ادب ناقابل تقسیم ہے۔ اس لیے اردو کا ہر بڑا شاعر اور زبانوں کے بڑے شاعروں کی طرح ساری دنیا کی دولت ہے، ہم سب کو اس پر فخر کرنا چاہیے اور اس کے چراغ سے اپنا چراغ جلانا چاہیے۔

آصف علی مرحوم کی یاد میں اردو کے پوسٹ گریجویٹ طلبہ کو وظائف

ایک لاکھ روپے جمع کرنے کے لیے یادگار کمیٹی کی اپیل

دلی ۲۰ اپریل۔ دلی کے ممتاز شہریوں نے مرحوم آصف علی صاحب کی یادگار قائم کرنے کے لیے امداد کی اپیل کی ہے۔ آصف علی صاحب کی یاد میں تین وظیفے جاری کیے جائیں گے جن کے واسطے امداد کی اپیل کی گئی ہے اپیل پر دستخط کرنے والوں کے نام یہ ہیں:-

جنگلی کشور کھنہ، ہردے ناتھ کنزرو، مہدی نواز جنگ، نور اللہ میاں (منیجر دلی پلی)، دین سپرو (ایم۔ پی)، شام ناتھ اور تارا چند (ایم۔ پی)، بی۔ ایچ زیدی (ایم۔ پی)۔

"دلی کے شہریوں اور ان کے بہت سے احباب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دلی یونیورسٹی کے تعاون سے اسی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں پوسٹ گریجویٹ طلبا کو ہر سال ۱۰۰ روپے ماہوار کے تین وظیفے دیے جائیں خیال کیا جاتا ہے کہ جناب آصف علی کی ثقافتی حیثیت کو بہترین خراج عقیدت اور مناسب یادگار ہوگی۔ اس تجویز کو ذات سے پہلے جناب لال بہادر شاستری کی سرپرستی اور ۔۔۔ کی تائید بھی حاصل ہو گئی تھی۔

لہٰذا ہم ان تمام لوگوں سے جو جناب آصف علی کی خدمات کی قدر کرتے ہیں اور جنھیں ان کی یاد عزیز ہے، پُرخلوص اور پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ آصف علی میموریل فنڈ میں فراخ دلی سے حصہ لیں۔ اندازہ ہے کہ ان وظیفوں کو دینے کے لیے ایک مستقل وقف قائم کرنے کی غرض سے ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ تمام عطیات کرنل بشیر حسین زیدی ممبر پارلیمنٹ معرفت ڈاکٹر راجندر پرشاد روڈ دہلی کے پتے پر بھیجے جائیں۔ (ایجنسی)

ازبکی زبان میں بیدی کی کہانیاں

تاشقند ۲۸ مارچ حال ہی میں "لاجونتی" کے نام سے ازبکی زبان میں راجندر سنگھ بیدی کی منتخب کہانیوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا ہے جو پانچ کہانیوں اور ناولٹ "ایک چادر میلی سی" پر مشتمل ہے۔ ان کہانیوں کی ترتیب و ترجمہ کا کام محمد جان نف رحمان بیردی، زینت اللہ نف اور فتح زینت باتف نے کیا ہے۔ یہ مجموعہ تیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا ہے اور عام طور پر مقبول ہو رہا ہے۔

ازبکی زبان میں امراؤ جان ادا اور انتخاب غالب

تاشقند۔ دو ماہ پہلے ازبکی زبان میں مرزا غالب کے اردو کلام کا انتخاب اور مرزا رسوا کا ناول امراؤ جان ادا اڑتیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ کلام غالب کا ترجمہ محمد جان نف رحمان بیردی نے اور مرزا رسوا کا ترجمہ غنی محمود نف نے کیا ہے۔

ازبک قارئین میں مرزا رسوا کا ناول "امراؤ جان ادا" اس درجہ مقبول ہوا کہ اس کی ساری جلدیں ایک ماہ کے اندر ہی فروخت ہو گئیں اور اب بازار میں اس کی ایک کاپی بھی دستیاب نہیں۔ جلد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن ساٹھ ہزار کی تعداد میں شائع ہوگا۔ ان کتابوں کا مقدمہ تاشقند یونیورسٹی میں اردو کے مہمان پروفیسر ڈاکٹر قمر رئیس نے لکھا ہے جو دہلی یونیورسٹی کے استاد ہیں۔ (ایک نامہ نگار)

نیتا جی سبھاش چندر بوس کے خطوط

نئی دہلی ۲۰ مارچ جناب شرد چندر بوس کو نیتا جی سبھاش چندر بوس، ان کی بیوی ایمی بوس، وی جے پٹیل اور بھارت کے چند سرکردہ دوستوں نے جو خطوط لکھے تھے ان کا ایک مجموعہ جو ۲۳۳ خطوط پر مشتمل ہے بھارت میں آئرلینڈ کے سفیر مارٹن گیس ویم دار بک نے آرکائیوز میں محفوظ رکھنے کے لیے وزارت تعلیم کے سکریٹری جناب اے کے کرپال کو پیش کیا۔ یہ مجموعہ مرحوم جناب بوس کی لڑکی مسز ایلین ایم ڈی آلین کی جانب سے پیش کیا گیا ہے۔

اس مجموعہ میں اخبارات کے تقریباً ۳۰ تراشے اور کئی فوٹو گراف بھی شامل ہیں۔ مجموعے کے مندرجات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ بھارت کی جد و جہد آزادی میں آئرلینڈ نے اپنی ہمدردی اور حمایت کا اظہار کیا تھا۔ (اتحاد ۔۔۔)

شہاب جعفری کا مجموعۂ کلام عنقریب شائع ہونے والا ہے

نئی دہلی ۱۹ اپریل۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ نئی نسل کے مشہور شاعر شہاب جعفری کا پہلا مجموعہ کلام "سورج کا شہر" عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ (نامہ نگار)

سید فضل المتین

داغ کے شاگرد، نواب عبداللہ خاں

(مطلب اجمیری)

حالات:-

نواب عبداللہ خاں مطلب اجمیری کے والد نواب حاجی محمد خاں، قوم سے مغل تھے، غدر کے بعد کشمیر سے اجمیر وارد ہوئے شہر ہی میں راجپوتانہ ریذیڈنسی (چیف کمشنر بہادر) کے میر منشی مقرر ہوئے بعد ازاں جودھپور کے وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے اور مجی الدولہ معین الملک کے خطابات پائے۔ ۱۰ر نومبر ۱۸۶۹ء کو بمقام .... لشکر کسی نے نواب حاجی محمد خاں کو شہید کر دیا۔ جس وقت نواب حاجی محمد خاں کو شہید کیا گیا نواب محمد عبداللہ خاں مطلب اجمیری کی عمر تیتی سات سال تھی۔ حاجی محمد خاں کی شہادت کے بعد جودھپور کے راجہ نے مطلب اجمیری کو نواب کے خطاب اور عہدۂ دیوانی سے سرفراز کیا اور سرپرستی فرمائی، چونکہ مطلب اجمیری، نواب حاجی محمد خاں کے اکلوتے لڑکے تھے۔ اس لیے ان کی املاک و جائداد کے تنہا وارث بھی قرار پائے۔

مطلب اجمیری کی تمام تر نشو ونما اجمیر ہی میں ہوئی اور انھوں نے اجمیر ہی میں مروّج قواعد کے مطابق تعلیم پائی ۱۸۹۵ء میں (غالباً) پیران کلیر شریف کے عرس شریف کے موقع پر انھوں نے ۳۴ یا ۳۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

مطلب اجمیری کا نام اجمیر کے نہایت ہی مشہور و معروف

لہ اجمیر میں نواب حاجی محمد خاں کی کوٹھی خاصی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ اس کے متعلق مولینا خواجہ معین اجمیری نے اپنے ایک خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا تھا۔ مقام مشاعرہ کی تاریخی اہمیت ...... آج جس مقام پر آپ صاحبان شرکت مشاعرہ کے لیے جمع ہیں یہ حویلی، نواب حاجی محمد خاں مرحوم و مغفور کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے جو کشمیر کے رہنے والے تھے اور غدر کے بعد اجمیر آکر اور صاحب چیف کمشنر بہادر راجپوتانہ ریذیڈنسی کے میر منشی ہو کر یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ نواب عبداللہ خاں مطلب انھی کے صاحبزادے تھے جو ہمیشہ اپنی اس کوٹھی میں شاعروں کی مجلسیں منعقد کیا کرتے تھے اور ان شاعروں کی صدارت داغ و قبیر جیسے باکمال شعرا فرماتے تھے۔

۱۸۸۸ء میں اسی جگہ ایک مشاعرہ ہوا، مصرع طرح یہ تھا ؎

پس نہ جائے مرے دل میں کہیں ارماں کوئی

داغ دہلوی، مطلب اجمیری، آگاہ دہلوی، صغیر بلگرامی، فیروز رامپوری، محشر گلشن آبادی، مرتب اکبر آبادی، اختر بریلوی، شمشاد لکھنوی، ذاکر ناقی، رفعت لکھنوی، نظام گلشن آبادی وغیرہ مشہور شعرا شریک مشاعرہ ہوئے، جگر بسوانی (ضلع سیتاپور) نے اس مشاعرہ کا انتخاب داغ جگر میں شائع کر کے لکھا ہے کہ یہ مشاعرہ جامع التش میں ہوا تھا۔ کو شرف یار خاں، شرف گلشن آبادی کے حوالے سے خواجہ اکبر حسین اکبر اجمیری راوی ہیں کہ یہ مشاعرہ بھی اسی کوٹھی میں ہوا تھا، اور اجمیر کے دوسرے شعرا سے بھی اسی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسی مشاعرہ کا واقعہ ہے کہ مشاعرہ شروع ہونے سے پہلے استاد داغ نے اپنے شاگرد مطلب سے پوچھا۔ کہو کیا لکھا ہے؟ مطلب اجمیری نے جواب دیا، ارماں کے قافیہ میں دو تین شعر نکالے ہیں، یہ سن کر داغ مرحوم اسی وقت اس قافیہ پر شعر لکھنے بیٹھ گئے، جب دیر زیادہ ہو گئی، تو مطلب مرحوم، مشاعرہ سے اٹھ کر آئے اور کہنے لگے اجی مشاعرہ آدھا ہو چکا ہے۔ داغ مرحوم گنگنا کر رہ گئے، اسی وقت یہ شعر بے ساختہ زبان پر آیا۔

دیر لگ جائے بلا سے انھیں آ دانش میں

رہ نہ جائے کسی کمبخت کا ارماں کوئی

(باقی نوٹ کالم ۲)

(باقی نوٹ کالم ۱) سے آگے، مطلب مرحوم نے ارماں کا قافیہ اس طرح لکھا ہے ؎

دیکھیں وہ وقت ہی آیا کہ اجل آتی ہے

لب تک ہیں کہ نکل جائے گا ارماں کوئی

نیز یہی وہ مقام ہے جہاں سے میرے خال محترم مولانا معینی مدظلہٗ نے مشاعرہ پڑھنے کی ابتدا فرمائی، صرف سترہ سال کی عمر تھی، مولانا معینی مدظلہٗ نے طرح پر غزل کہی، دوستوں کے اصرار سے مشاعرہ میں شریک ہوئے جب شمع سامنے آئی، تو مطلع پڑھا۔

جب کبھی سیر کو وہ بانی شر جاتا ہے

فتنۂ حشر نکلتا ہوا بھی گذر جاتا ہے

استاد ظہیر جانشین خاقانی ہند ذوق دہلوی نے شعر سنا تو کہا صاحبزادے پھر پڑھیے۔ آپ نے مطلع کا اعادہ کیا۔ مشاعرہ جاگ اٹھا استاد ظہیر جھومنے لگے اور جھومتے جھومتے، مطلع کے دوسرے مصرع کی اس طرح تکرار فرمائی،

فتنۂ حشر نکلتا ہوں سے اتر جاتا ہے

سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں استادانہ تصرف، کہ ایک لفظ بدل کر مطلع غزل کو مطلع آفتاب بنا دیا۔

(خطبہ صدارت مولانا خواجہ معین اجمیری۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء از گلدستہ "ادبی مشاعرہ" مطبوعہ ۱۹۵۳ء، صفحات ۱۰-۱۱-۱۲)۔

(سید فضل المتین)

لہ لشکر سے اجمیر سے ۲ میل کی دوری پر وہ مقام ہے جو اپنی جھیل کے مشہور نیز تفریحی مقاموں میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

(سید فضل المتین)

تہ اس بیان کی روشنی میں کہ مطلب کی عمر ان کے والد کی شہادت ۱۸۶۹ء کے وقت ۸ یا ۹ سال تھی۔ مطلب کا سن پیدائش ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء قرار دیا جا سکتا ہے۔ (سید فضل المتین)

اور قابل قدر شاعر کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ یہ فصیح الملک جہان استاد حضرت داغ دہلوی کے نہایت ہی عزیز شاگرد رشید تھے۔ ان کا متفرق کلام ابصورت دیوان ترتیب دیا گیا ہے۔ مگر ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

نمونہ کلام:۔

نمونۂ کلام حسب ذیل ہے

بسمل ہی اس کو دیکھا جس کے جگر کو تاکا
اس کی نگہ ہے یا رب یا تیر ہے قضا کا
اے دل ہوا تو شیدا، انداز کا، ادا کا
کس بانیِ جفا کا، کس دشمنِ وفا کا

بس کیا لڑو گے غیر سے، ایسے نہیں ہو تم
کیونکر کروں یقین کہ ڈھلل یقیں ہو تم
دیکھے نہ ہم کو کوئی بھی یہ ایک ہی کہی
پردے میں بیٹھو، ایسے جو پردہ نشیں ہو تم
باہر نہیں نکلتے ہو کیوں دل سے غیر کے
کچھ میری آرزو، مری حسرت نہیں ہو تم

کشتۂ یاس ہوئے سیکڑوں ارماں دل میں
ہم لیے پھرتے ہیں اک گنجِ شہیداں دل میں
زخم سے زخم ہیں دو چکی سے کیا ہوتا ہے
چارہ گر رکھ دے، نمکداں کا نمکداں دل میں
ہم تو حسرت ہی بھرے اٹھیں گے دنیا سے
تم نکالو کوئی رہ جائے نہ ارماں دل میں
وضعداری کو فقط اب تو لیے بیٹھے ہیں
غیر سے مل کے بہت ہیں وہ پشیماں دل میں
تم نے کچھ قدر نہ کی مطلب دل خستہ کی
ایسے مطلب کو تو رکھتے ہیں مری جاں دل میں

زمانہ ترا مبتلا ہو رہا ہے
تجھے بھی خبر ہے کہ کیا ہو رہا ہے
رقیبوں سے تیرا گلا ہو رہا ہے
یہ کیا کر رہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے

اشارے تو چشمِ سخن گو کے دیکھو
نگاہوں میں سب کچھ ادا ہو رہا ہے
کسی کا شبِ وصل جھنجھلا کے کہنا
نہ چھیڑو مرا دل بُرا ہو رہا ہے
نہیں آنکھ کھلتی، الٰہی کسی کی
کوئی مٹ رہا ہے، فنا ہو رہا ہے
وہ کہتے ہیں تو ڑیں گے مطلب کی تقویٰ
بہت متقی پارسا ہو رہا ہے

مندرجہ بالا اشعار سے متعلق مولانا خواجہ معنی اجمیری اپنی بیاض یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں

"یہ اشعار خواہر زادۂ مطلب، وحشی اجمیری سے معلوم ہوئے، معنی"

انتخاب کلام:۔

لکھنؤ کے مشہور گلدستۂ سخن "پیام یار" کے بعض پرچوں میں آپ کا مندرجہ ذیل "انتخاب کلام" ملتا ہے۔

کیا خواب میں بھی تم کو مری جان نہیں دیکھا
تم لاکھ کہے جاؤ کہ ہاں ہاں نہیں دیکھا
وہ آئے تو یہ چل دیا سینے سے نکل کر
دیکھا ادھر نہیں تو دل میں پھر ارماں نہیں دیکھا
لگ جائے نہ اپنی نظر اس خوف سے ہم نے
جی بھر کے کبھی جلوۂ جاناں نہیں دیکھا
الفت میں ہے کیا بات محبت میں ہے کیا لطف
کچھ تو نے مزا ناصح ناداں نہیں دیکھا
جب دیکھو یہ کمبخت ہے محفل ہی میں موجود
فرماتے ہیں مطلب سا کبھی انساں نہیں دیکھا

(صفحہ ۱۹۰، پیام یار، دسمبر ۱۸۸۵ء)

مونس کوئی نہ کوئی مرا غمگسار ہے
اک دل رہا تھا اس پہ ترا اختیار ہے
ہاں ہاں ضرور وعدے کا ایفا کرو گے تم
بس بس قسم نہ کھاؤ مجھے اعتبار ہے
تشبیہ کرتے یار سے فردوس کی تو دوں
لیکن تمھی سنائی کا کیا اعتبار ہے
اب وہ بھی تنگ ہے ہیں شب وروز دل گیر
ان کو بھی اب ہماری طرح انتظار ہے
بس اے زباں شکایت ہجراں سے در گذر
تیرے سبب سے آج کوئی شرمسار ہے

(صفحہ ۱۸، پیام یار، اکتوبر ۱۸۸۶ء)

عیاں سب ہو گیا، طرز بیاں سے
میں سمجھا آپ آئے ہیں، جہاں سے

(باقی صفحہ)

۱؎ یہ دیوان شائع نہیں ہوا اور نہ اب اس کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ غالباً ضائع ہو گیا۔
(سید افضل المتین)

۲؎ یہ حالات "تذکرہ شعرائے اجمیر" سے متعلق مولینا خواجہ معنی اجمیری کی متفرق یادداشتوں سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔
(سید افضل المتین)

غزلیں

آزاد گلاٹی

اس طرح اترے ہیں ہم اس مرحلے کے دھیان سے
جس طرح کوئی ڈھلک جائے کسی ڈھلوان سے
بکھرے بستر سے گئے چہرے ذہن میں ابھر گئے
دیدہ دانستہ وہ گزرے اس طرح انجان سے
جیسے ہم ان مرحلوں سے آج تک گزرے نہ ہوں
پیار کے قصے پڑھے تو ہو گئے حیران سے
اس طرح آتے ہیں دل میں عہد رفتہ کے خیال
جیسے ملنے کے لیے آتے ہیں کچھ مہمان سے
کوئی آہٹ۔ کوئی دھڑکن۔ کوئی سرگوشی تو ہو!
ہو گئے ہیں ذہن کے گنبد بہت سنسان سے
حسرتوں کی جب چتا جل کر ہوئی ٹھنڈی تو ہم
راکھ منہ پر مل کے نکلے عشق کے شمشان سے
ہر قدم پر حسن کے جادو نے پھیلائے ہیں دام
گھر سے نکلے ہو میاں آزاد! تو اب دھیان سے!

چندر پرکاش شاد

ان دیکھی ہواؤں کے بکھرے ہیں دام
تم اپنے ارادوں کی کوشش میں رہو گم
زنجیر ہیں تیری پا کوئی گھنگھرو لگتا ہے
اے خاک اڑاتے ہوئے لمحو ذرا تھم جاؤ
اس اندھے سفر میں ہیں اتنی تو خبر ہے
دہرائیں گے ایک ایک کہانی دم رخصت
باہر ہے تو شاید کوئی چٹان ہی سمجھے
اور اپنی انا کو بھی پہنچ پائے کہاں ہم

یہ سلسلۂ خواب جو ٹوٹے تو کہاں ہم
اس سمت نہ دیکھو کہ ہیں آوارہ نشاں ہم
جی میں ہے ابھی توڑ دیں بارش کی کماں ہم
بتلاؤ کہ اک عمر گزارا کئے کہاں ہم
گنتے ہیں بڑے شوق سے میلوں کے نشاں ہم
اب جان گئے ٹوٹے پتوں کی زباں ہم
سورج کی طرح رہتے ہیں در در پہ رواں ہم
اس راہ میں ہوتے گئے ہر لحظہ دھواں ہم

صبا افغانی (دھولیہ)

یوں رہے گرم سفر راہ جنوں میں ہم لوگ
پھول تو پھول ہیں کانٹوں سے بھی داد ملی
جب کبھی سوچا ہے کہ ہم لوگ چلیں تیری طرف
زندگی ہم کو سر راہ پشیماں سی ملی
دل کے ارمانوں کو اشکوں کی قبا دی میں نے
یاد رکھو گے بہت دیر مری زندہ دلی
سمت وحشت ہے یہ گھبرا کے دل جانے لگا
دل برباد کو زخموں پہ اگر داد ملی
لوگ اس بزم میں زخموں کو چھپا آئے
ہم نے وحشت میں صبا اپنی قبا تک نہ سلی

کیرلا میں عربی اور اردو

ایس۔ ایم۔ بشیر

کیرلا میں فی الجملہ عربی لغت و ادب کی جو حالت ہے وہ اتنی بہتر ہے کہ شاید ہی اس کی مثال اور کہیں مل سکے۔ مساجد کی ان پرانی درسگاہوں کے علاوہ جن کا سلسلہ بہت قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے یہاں مستقل طور پر عربی تعلیم و تدریس کے لیے کئی ایک کالج جن میں خوبی کام کر رہے ہیں، روضۃ العلوم فاروق۔ اسلامیہ کالج شانتاپورم، مدینۃ العلوم پولیکل۔ نوریہ کالج پٹی کاڈ، شمس الاسلام اریکوٹ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل سرکاری و غیر سرکاری کالجوں میں بھی عربی کے لیے انتظام ہے۔ برنن کالج تلیچری، مہاراجا کالج ایرناکلم، گورنمنٹ کالج مڈاپلی۔ یونیورسٹی کالج ترونڈرم۔ فاروق کالج فروق، ممباڈ کالج ممباڈ۔ ان میں اوپر کے چار سرکاری باقی غیر سرکاری ہیں۔ علاوہ ازیں اسٹیٹ کے بے شمار ابتدائی اور ثانوی اسکولوں اور مدارس میں بھی عربی کی پڑھائی جاری ہے۔ ایک سو سے زیادہ سیکنڈری اسکولوں میں عربی معلم مقرر ہیں۔

برخلاف اس کے ریاست بھر میں اردو کا جو حال ہے وہ نہایت ہی ابتر ہے۔ سرکاری و غیر سرکاری کالجوں میں صرف برنن کالج تلیچری اور فاروق کالج ہی دو کالج ہیں جہاں برائے نام اردو کا انتظام ہے۔ ہائی اسکولوں میں صرف پانچ میں اردو تعلیم جاری ہے جن میں تین تلیچری ایک مٹانچیری کوچین اور ایک کالیکٹ ہے۔ اسی طرح ابتدائی اسکولوں کا حال بھی ناگفتہ بہ ہے۔ اس ابتر صورت حال کے اسباب علل میں بہت سی دوسری باتوں کے علاوہ ایک یہ بھی وجہ ہے کہ کیرلا میں اردو سند یافتوں کا قحط ہے۔ اگر وہ کافی تعداد میں ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ وہ خود سعی کر کے اسکولوں اور مدارس میں پوسٹ بناتے جیسا کہ عربی کے سند یافتہ کر رہے ہیں۔ اس زبان کی خوبیوں سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے یہاں کے عوام میں فطرتاً اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہاں کچھ انجمنیں اس کی اشاعت و تبلیغ کے لیے کوشش کر رہی ہیں۔ اردو پرچار سبھا کالیکٹ، اردو ایسوسی ایشن ایرناکلم، اردو سٹوڈنٹس فیڈریشن تلیچری وغیرہ یہاں اردو کا ایک اچھا ماحول پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں۔ لیکن عوام میں پھر بھی بیداری کے آثار کم پائے جاتے ہیں۔

یہاں کے بہی خواہان اردو کی مسلسل جد و جہد سے متاثر ہو کر آخر کیرلا یونیورسٹی نے ادیب فاضل کا امتحان دو سال ہوئے منظور کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ اگر عوام کا تعاون ہو گا اور عوام میں بیداری پیدا کرنے کے لیے مؤثر قدم اٹھایا جائے گا تو بہت ممکن ہے کہ کیرلا میں بھی اردو کا مستقبل روشن ہو جائے۔ امید کہ میری اس آواز پر ملک بھر کے محبان اردو ٹھنڈے دل سے غور کریں گے اور اردو کی فیض رسانیوں سے کیرلا کے موپلا لوگوں کو مالا مال کرنے کی ہر ممکن سعی فرمائیں گے۔

صفحہ ۳ سے آگے

وہ کہتے ہیں مری تربت پہ آکر
بہت سوئے اٹھو خوابِ گراں سے
وہ ہنستے ہیں، تڑپنے پر ہمارے
ابھی واقف نہیں دردِ نہاں سے
دلِ مضطر آ گیا تھا مچل کر
بڑی مشکل سے لایا ہوں وہاں سے
سنی ہوں گی بہت سی داستانیں
مری سن لو، کبھی میری زباں سے
نصیحت حضرتِ ناصح مسلّم
یہ کہیے صبر میں لاؤں کہاں سے
بہت کی، عشق بازی تم نے مطلب
اٹھاؤ ہاتھ اب عشقِ بتاں سے

(صفحہ ۱۰ - پیامِ یار، جنوری ۱۸۸۸ء[1])

مطلب اجمیری کی "چند غزلیں" جو دستیاب ہو سکی ہیں۔ ان میں سے دو درج ذیل ہیں۔

وہ ذکر اس نے نکالا کہ بیقرار کیا
شبِ وصال بھی مجھ کو نہ ہمکنار کیا
خدا کے سامنے میں یہ کہوں گا کہ زاہد
دلا کے ضد مجھے اس نے گنہگار کیا
جو ذکر غیر کیا جھٹ انھیں یقیں آیا
جو حالِ درد کہا کچھ نہ اعتبار کیا
مزا وصال کا بعد وصال پایا ہے
کہ میری گور نے مجھ کو لپٹ کے پیار کیا
لیا تھا خواب میں کیوں بوسہ بے رضا مندی
مجھے تو شوق نے اس بت سے شرمسار کیا
خدا کی شان ہوئے بوالہوس بھی صاحبِ عشق
کہ میرا شیوہ رقیبوں نے اختیار کیا
وہ آئے فاتحہ خوانی کو ساتھ غیروں کے
یہ حشر تازہ ہمارے سر مزار کیا
جو ہم نے یار کی اس میں ہے کچھ خوشی پائی
اخیر عمر کا سہنا بھی اختیار کیا
وہ آج اور بھی بے چین مضطرب سے تھے سوا
یہ خوب دل سے سلوک اے نگاہِ یار کیا
خدا نے یوں تو بہت تم میں خوبیاں بخشیں
تمہارے وعدے کو لیکن نہ پائدار کیا
دل ان کے نذر کیا ہائے کیا کیا مطلب
یہ اپنے ہاتھوں سے نقصان میرے یار کیا

(صفحہ ۱۴۰ - نالۂ عشاق - نومبر ۱۸۸۴ء[2])

جان سی چیز تمہیں اہلِ وفا دیتے ہیں	پھر بھی تم کو یہی شکوہ ہے کہ کیا دیتے ہیں
جان پر اے کے جفا روز دعا دیتے ہیں	سوچتے تو سہی کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں
اف غضب کہتے ہیں وہ جس کے یہ مضطرب ہو	ہم کو کیا دو گے ابھی اس کو بلا دیتے ہیں
ان سے ہم رنج و الم حسرت و غم لیتے ہیں	ان کو ہم سب کی عوض ایک دعا دیتے ہیں
پردہ ہر بار گرانے کا یہی مطلب تھا	کہ اسی طرح نگاہوں سے گرا دیتے ہیں
بیٹھتے ہیں تو مرے دل کی طرح بیٹھتے ہیں	اور اٹھتے ہیں تو قیامت ہی اٹھا دیتے ہیں
طبِ دل پر وہ فرماتے ہیں کیا جھنجھلا کر	اور بھی سیکڑوں دل ہم تو گنوا دیتے ہیں
تیرے بیمارِ محبت کا خدا حافظ ہے	نزع کا وقت ہے قرآں کی ہوا دیتے ہیں
رند میخوار ہی ہوتے ہیں سخی اے زاہد	اپنے حصے کی بھی یہ لوگ پلا دیتے ہیں
وہ بناوٹ سے بگڑتا وہ خفا ہو جانا	اونہہ شکوے بھی شبِ وصل مزا دیتے ہیں
کس قدر خوف ہے وہ جانتے ہیں جب بخدا	میری تصویر کو کمرے سے ہٹا دیتے ہیں
وہم ہونے نہیں دیتا ہے خطا شوق تمام	کبھی لکھتے ہیں کبھی لکھ کے مٹا دیتے ہیں
مجھ سے اتنا تو وہ ناراض نہ ہوں گے مطلب	کچھ یہ لوگ اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں

ایک شعر: ایک بار نور اجمیری[3] کے اصرار پر مطلب اجمیری نے اسے حسبِ ذیل شعر لکھ کر دیا۔

بال اڑانے کا نسخہ پورا ہے		قدرتی نام تیرا نورا ہے

تلامذہ: زبانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اجمیر میں مطلب اجمیری کے بہت سے تلامذہ تھے۔ لیکن کوشش کے باوجود ان کے حالِ احوال کا پتہ نہ چل سکا البتہ "تذکرہ ضیغم" میں یہ عبارت ملتی ہے۔

"نواب محمد عبداللہ خاں مطلب اجمیری استاد آغا محمد عبدالقادر خاں"

(تذکرہ ضیغم صفحہ ۲۲)

---

[1] "پیامِ یار" بابت دسمبر ۱۸۸۶ء - اکتوبر ۱۸۸۶ء اور جنوری ۱۸۸۸ء میں نواب عبداللہ خاں مطلب کو رئیس اجمیر لکھا گیا ہے اور دسمبر ۱۸۸۸ء و اکتوبر ۱۸۸۸ء میں رئیس اجمیر و شاگرد داغ لکھا گیا ہے۔ (سید فضل المتین)

[2] نالۂ عشاق۔ داغ کے شاگرد نظیر حسن سخا نے اپنے قیام اجمیر کے زمانہ میں یہ گلدستۂ سخن "نالۂ عشاق" نومبر ۱۸۸۴ء میں جاری کیا۔ نالۂ عشاق میں مطلب اجمیری کو رئیس اعظم اجمیر تلمیذ جناب داغ دہلوی لکھا گیا ہے۔ (سید فضل المتین)

[3] نور اجام۔ اجمیر کا بہت مشہور و معروف اور مسخرہ قسم کا معزز رئیس۔ اجمیر کے بیشتر رئیسوں کے یہاں اس کی رسائی اور حضرات صاحبزادگان آستانہ اجمیری برادری کا مستقل حاضر باش ہونے کی حیثیت سے اجمیر میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ تقسیم وطن کے بعد پاکستان منتقل ہو گیا۔ ایک دو بار اجمیر آیا اب پتہ نہیں کیا حال ہے۔ جب آخری بار اجمیر آیا اور مجھ سے ملا اس وقت اس کی صحت اور بصارت بیکار ہو چکی تھی۔ مطلب اجمیری کا یہ شعر نور اجام کو یاد تھا اور مولینا خواجہ حسنی اجمیری کی بیاض یادداشت میں بھی محفوظ ہے۔ (سید فضل المتین)

مراسلات

سب سے پہلا اخبار

ہماری زبان مورخہ ۲۲ر مارچ ۱۹۶۶ء میں مناظر عاشق ہرگانوی نے ماہنامہ ادیب فیروز آباد کا تعارف کرایا رسالہ کے ایک مضمون "فن اخبار نویسی" کا اقتباس دیتے ہوئے یہ تحقیق چاہی ہے کہ اب بھی اخبار Acta Dimna سب سے پہلا اخبار مانا جاتا ہے یا جدید تحقیق میں کسی اور اخبار کا انکشاف ہوا۔ اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ جرنلزم کی کافی کتابیں میرے مطالعہ میں رہی ہیں جن میں Acta Dimna کو پہلا اخبار مانا گیا ہے کچھ کتابوں میں ایکٹا ڈیمنا کی جگہ پر Acta Duuma لکھا ہے کسی میں Acta Dianna or Daily Events لکھا ہے۔ یہ اخبار حضرت عیسیٰ سے پہلے ملک روم میں جاری تھا اس اخبار میں لڑائیوں، تہواروں، آگ لگنے کے واقعات اور اسی طرح کے دلچسپ واقعات لکھے جاتے تھے۔ یہ عام جگہوں یا ستونوں پر چسپ کیا جاتا تھا۔ اس کی کاپیاں دوسرے شہروں کو بھی بھیجی جاتی تھیں۔ روم سلطنت کے زوال کے ساتھ یہ اخبار بھی بند ہو گیا۔

دوسرا اخبار مضمون کے اقتباس میں جرمنی میں پندرھویں صدی میں لکھا گیا ہے۔ حالانکہ چودھویں صدی میں وینس (Venice) ہی سے Notizie Scritte نام کا اخبار جاری ہوا تھا۔ اس میں زیادہ تر آفیشل خبریں ہوتی تھیں جو پبلک کو بطور اطلاع دی جاتی تھیں۔ اس لیف لٹ کے پڑھنے کا معاوضہ ایک گزیٹا سکہ لیا جاتا تھا Gazzetta سکے سے ہی لفظ Gazzetta لیا گیا ہے۔ اسی سے بعد کو ماڈرن لفظ گزٹ بن گیا ہے۔

میرا خیال ہے سید اکبر علی اکبر آبادی کا مضمون "فن اخبار نویسی" شاید اردو میں صحافت پر پہلا مضمون ثابت ہو۔ اگر اس کو مناظر عاشق ہرگانوی صاحب "ہماری زبان" میں مکمل شائع کرا دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔

(شریف الحسن لاہرپوری)

کچھ ایک مراسلے کے سلسلے میں

۲۲ر مارچ کے "ہماری زبان" میں مراسلات کے تحت سید فضل المتین صاحب کے مکتوب میں "مثنوی سحر البیان کا ایک قلمی نسخہ" کے عنوان کے تحت پہلی سطر میں "ابھی حال میں" اور چھٹی سطر میں "کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط" دسویں سطر میں "ایک اہم ترین" تیرھویں سطر میں "موقلم کی کاوش کا" ایسے الفاظ نظر سے گزرے جو میرے نزدیک سہو کتابت کے طفیل میں تو نہیں ہو سکتے اگر سید فضل المتین صاحب کے قلم سے ہیں تو ایک محقق کے غیر محتاط ہونے پر چغلی کھاتے ہیں۔ مزید برآں مجھے سید عبد الحی رضا صاحب کی تجویز سے سو فی صد اتفاق ہے اردو زبان کے ابقا کے لیے رضا صاحب کی رسائی قابل داد و غور ہے۔

(آغا شلش کاشمیری)

مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی

میں دہلی یونیورسٹی سے مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی کی تصانیف پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ کسی صاحب کے پاس ان کے خطوط یا مفید مواد محفوظ ہو تو درج ذیل پتے پر اطلاع دینے کی عنایت فرمائیں

سیفی پریمی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

کچھ انتخاب کے بارے میں

اختر شیرانی کے رسالہ "انتخاب" کے پہلے شمارے (اکتوبر ۲۵ء) کا تعارف جناب نادم سیتاپوری نے "ہماری زبان" کے ۸ رمئی ۶۵ء کے شمارہ میں، پھر ۱۵ر اکتوبر ۶۵ء کے شمارے میں رئیس مینائی لنگوری صاحب نے "انتخاب" کے نومبر ۲۵، دسمبر ۲۵ء اور جنوری ۱۹۲۶ء کے شمارے کا تعارف پیش کیا ہے۔ لیکن کسی نے بھی "انتخاب" کے مقاصد و ضوابط کی طرف دھیان نہیں دیا ہے۔ اور میرے خیال میں اس کے بغیر "انتخاب" کا تعارف ادھورا ہے۔

یہاں "انتخاب" کے مقاصد و ضوابط پیش کیے جاتے ہیں:۔

مقاصد

۱۔ انتخاب کا پہلا فرض ہر ایک زبان کی ہر رنگ کی بہترین اور اہم نئی یا پرانی علمی و ادبی تحریروں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔

۲۔ انتخاب ملک میں اعلیٰ اور پاکیزہ ترین علم و ادب کی کامیاب مثالیں پیش کر کے ان کی لطافت و اہمیت کا اعتراف کرانا چاہتا ہے۔

۳۔ انتخاب مختلف دلچسپ طریقے اختیار کر کے عامۃ الناس کے ادبی مذاق کی اصلاح کرنے کا خواہشمند ہے۔

۴۔ انتخاب علم و ادب کا ایک ایسا بلند اور بہترین معیار پیش کرنے کا دعویدار ہے جس کے تحت میں جو تحریر ہو اپنی جگہ ایک مخصوص علمی یا ادبی یادگار رہے، اور جو خود بتائے کہ لکھنے والا کس پایہ کا ہے۔

۵۔ قدیم و جدید نقاشی کے بہترین واقعی اور تخیلی نمونے پیش کرنا بھی انتخاب کا ایک اہم مطمح نظر ہے۔

ضوابط

۱۔ انتخاب کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ اور ششماہی تین روپیہ (علاوہ محصول ڈاک) ہے۔ انجمنوں اور طلبا سے ساڑھے چار روپیہ۔

۲۔ نمونہ کا پرچہ مفت نہیں بھیجا جائے گا۔ البتہ ماہانہ قیمت ۸ر لی جائے گی۔

۳۔ انتخاب بالعموم ہر ماہ کے آخری ہفتہ میں شائع ہوتا ہے اس کے نہ پہنچنے کی اطلاع دفتر میں ۱۰ تاریخ سے ۱۵ تاریخ تک

آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ قیمتاً بھیجا جائے گا۔

۴۔ چونکہ انتخاب اپنے ناظرین میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے علاوہ مختلف دلچسپ ادبی مقابلوں کی شکل میں ان کی کچھ مالی خدمت بھی کرنا چاہتا ہے اس لیے انتخاب کے انعامات صرف اس کے خریداروں کے لیے مخصوص ہیں۔ "ناخریداروں" کو اس میں شرکت کا حق حاصل نہیں ہے۔ ایسے حضرات شرکت مقابلہ کے بارے میں خط وکتابت کرنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں۔ البتہ مضمون یا افسانہ کا مقابلہ اس قید سے مستثنیٰ ہے۔ منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر اپنا پتہ صاف اور خوشخط تحریر کیجئے۔

۵۔ خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر جو لفافہ کے پتہ پر درج ہوتا ہے اپنے نام کے ساتھ ضرور درج کرنا چاہیے۔

(مناظر عاشق ہرگانوی)

انیس ہند میرٹھ

انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں انیس ہند نام کا ایک ہفتہ وار اخبار ودیا درپن پریس واقع لالہ کا بازار میرٹھ سے شایع ہوا کرتا تھا۔ ودیا درپن پریس اور اخبار انیس ہند میرٹھ ہر دو کے مالک میرٹھ کے مشہور رئیس لالہ رام چند ردیش تھے یہ پریس اردو کا مشہور مطبع تھا اور اس کی چھپی ہوئی کتابیں لائبریریوں میں مل جاتی ہیں) سری رام چرت مہابھارت مترجمہ لالہ سری رام کا نسخہ مالکہ دہلوی مطبوعہ مطبع ودیا درپن میرٹھ ۱۸۹۵ء کے آخری صفحہ پر مندرجہ ذیل اشتہار شائع ہوا ہے جس سے "انیس ہند" کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے۔

اخبار انیس ہند میرٹھ

قیمت سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپے

"یہ اردو زبان کا ہفتہ وار اخبار ۱۲ صفحات کلاں پر مطبع ودیا درپن میرٹھ سے نہایت خوشخط اور نفیس چھپائی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ اس میں مختلف خیالات کے عالمانہ، اخلاق، حسن معاشرت، پولیٹیکل سوشل، مارل مضامین اور چیدہ چیدہ نوٹس، دلچسپ لطائف ظرائف نصیحتیں، ناول، سوانح عمریاں، حفظ صحت، تجربہ کی پرمغز باتیں، معلومات کا لب لباب، گورنمنٹ گزٹ، یوروپ، ایشیا، افریقہ امریکہ وغیرہ کی تازہ خبریں، تاربرقیاں اور لوکل کے مفصل ومشرح حالات درج ہوتے ہیں"

- المشتہر کشن سروپ ورما، ایڈیٹر و منیجر ۱۸۹۵ء"

اگر کوئی صاحب متذکرہ بالا اخبار اور مطبع سے متعلق مزید تفصیلات مثلاً یہ اخبار کب شایع ہونا شروع ہوا کب بند ہوا؟ اس اخبار کا کوئی فائل یا شمارہ کہیں محفوظ ہے وغیرہ فراہم کر سکتے ہوں تو "ہماری زبان" کے ذریعہ یا براہ راست راقم کو مطلع فرما کر ممنون ومتشکر کریں۔ ڈاکٹر حکم چند نیر، استاد شعبۂ اردو وفارسی بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس)

مجوزہ ہریانہ پرانت اور اردو

ہریانہ پرانت میں تین زبان کا فارمولا لاگو ہونا چاہیے جس میں اردو کو ضرور جگہ دینی چاہیے کیونکہ اردو جاننے والے ہریانہ پرانت میں بہت ہیں اور اس کے قدردان سبھی ہیں

مرکزی سرکار و آنے والی ہریانہ پرانت کی سرکاریں ادھر ضرور دھیان دیں۔

(مہابیر پرشاد متل شاد)

چند تجاویز

عبدالحی رضا صاحب کی تجویز (ہماری زبان ۲۲ مارچ) مناسب ہے

اور میری بھی چند تجاویز ہیں کہ ادبی سوال وجواب کا ایک کالم بھی شروع کیا جائے گو مختصر ہی سہی۔

دوئم یہ کہ ہر اشاعت میں ایک آدھ نظم غیر ملکی یا دیگر زبانوں کی بھی پیش کی جائے۔

سوئم یہ کہ "اس شمارے میں" کے عنوان سے فہرست مضامین کی ضرورت کچھ ایسی شدید تو نہیں معلوم ہوتی!

(معین الحق دکنی)

"جشن اثر" میں شاعروں اور ادیبوں کا خراجِ تحسین

لکھنؤ، ۱۱ر اپریل۔ ادبی کاوشوں کے صلہ میں انعامات تمغے اور عزتیں تو ملتی رہیں گی لیکن اردو شعر و ادب کا کلاسیکل اسکول اثر لکھنوی کی جامع شخصیت پر ختم ہو جائے گا، جنھوں نے ادب کی "پانچ نسلوں" کا ساتھ دیا ہے" یہ بات ممتاز شاعر آنند نرائن ملا نے کل لکھنؤ کے شاعروں ادیبوں اور شہریوں کے اس اجتماع میں کہی جو مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کی ادبی خدمات کو خراجِ تحسین ادا کرنے کے لیے منعقد ہوا تھا۔

"جشن اثر" کے نام سے انجمن شعرائے لکھنؤ کے زیرِ اہتمام کشمیری محلہ میں اثر صاحب کے مکان کے نزدیک ہی منعقد ہونے والی اس تقریب میں تقریر کرتے ہوئے ملا صاحب نے کہا کہ ان کی نظر میں ایسی شخصیتیں بہت کم گزری ہیں جن میں اثر صاحب جیسی جامعیت ہو وہ بیک وقت ادیب، شاعر نقاد اور اردو کلاسیکی ادب کو پرکھنے کی ہر جہتی صلاحیتیں رکھتے ہیں اور ان کے بعد "قدآور ان ادب کی وہ نسل ختم ہو جائے گی جس کی اردو شعر و ادب پر دور تک چھاپ ہے"۔

ملا صاحب نے خیال ظاہر کیا کہ فنکار کے فن کا ایک خاص "عرصہ" ہوتا ہے، ایک عہد ہوتا ہے۔ یہ عرصہ کسی ادیب کے یہاں بہت مختصر اور کسی کے یہاں بہت طویل ہوتا ہے لیکن اثر لکھنوی کی فکری کاوشوں کا یہ عرصہ ادب کی پانچ نسلوں کا احاطہ کرتا ہے۔ وہ شعر و فن کا ایک جزو بن چکے ہیں اور اس لیے اردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

انھوں نے کہا کہ اثر لکھنوی کی شاعری کا اصل روپ صرف مرصع کاری اور فنکارانہ حسن نہیں بلکہ ان کی اصل شاعری وہ ہے جس میں انھوں نے میر کی پیروی کی ہے۔ یہی شاعری ان کے دل کی آواز اور ان کا حقیقی رنگ ہے۔

اس سے پہلے اس تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے ریاستی وزیر انصاف سید علی ظہیر نے اثر صاحب سے اپنی عقیدت اور ان کی شاعری سے اپنے دلی لگاؤ کا اظہار کیا۔ انھوں نے پچھلے دنوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے کہا کہ جب بھی وہ اپنی مصروفیات کے سلسلہ میں باہر جاتے تھے اور اس ضلع میں اثر صاحب مقیم ہوتے تھے تو ان کی شاعری سننے کے لیے دل بے چین ہو جاتا تھا اور اگرچہ آج وہ اپنی علالت کے سبب اس بزم میں نہیں ہیں پھر بھی ان کے اشعار کی گونج اب بھی موجود ہے۔

سید علی ظہیر کی افتتاحی تقریر اور سردار جسونت سنگھ کے خطبہ استقبالیہ کے بعد سرور دش طباطبائی نے اثر صاحب کی ایک غزل سنائی جس کا مطلع تھا۔

ہستی منعدم کیف نہ کم دیکھ رہا ہوں　　　ہر زیر و بم زیست کا سم دیکھ رہا ہوں

پھر مفتی رضا انصاری نے اثر صاحب کی شخصیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یہ کہہ کر شروع کیا کہ اثر لکھنوی کے فن کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے والی اور بھی بزرگ ہستیاں ہیں۔ میرا موضوع ان کی شخصیت کے وہ پہلو ہیں جن میں انسانی بلندیاں نمایاں ہیں۔ رضا صاحب نے فرنگی محل سے اثر لکھنوی کے انتہائی قریبی تعلقات اور برادرانہ رسم و راہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی زندگی کے کئی پر اثر واقعات سنائے۔

سرور دش عسکری طباطبائی نے اس کے بعد ایک مقالہ پڑھا جس میں اثر لکھنوی کی شعری اور ادبی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی تھی۔

پھر ایک مختصر تقریر کرتے ہوئے پروفیسر احتشام حسین نے کہا کہ میں اب اپنی عمر کی اس منزل پر ہوں جب ادب کے بارے میں کسی رائے اور کسی بھی بات کا اظہار پوری ذمہ داری کے ساتھ کر سکتا ہوں میرا خیال ہے کہ ۲۰ ویں صدی کے لکھنؤ اسکول کی شاعری پر اثر صاحب نے ایک کبھی نہ مٹنے والا نقش چھوڑا ہے اور ان کا مطالعہ جب بھی کیا جائے گا پورے لکھنؤ اسکول کی شاعری کے پس منظر میں کیا جائے گا"۔

انھوں نے کہا کہ اثر صاحب کی عظمت صرف اس میں نہیں ہے کہ وہ ایک اچھے اور صاحب طرز شاعر ہیں بلکہ عالمی ادب بالخصوص کلاسیکی ادب اور نئے ادب کا ان کا مطالعہ اتنا وسیع ہے کہ جہاں کہیں بھی انھوں نے جدید شاعری پر کوئی اعتراض کیا ہے تو اس کے پیچھے مطالعہ کی پوری گہرائی اور گیرائی موجود ہے۔ ان اعتراضات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ نئی شاعری میں جہاں کہیں عدم توازن اور بے راہ روی ہے ۔ وہ دور ہو جائے۔

آخر میں سید علی ظہیر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ انھیں اثر صاحب سے ہمیشہ عقیدت رہی ہے اور انھوں نے جدید ادب اور شاعری پر جو اعتراضات کیے ہیں انھیں ہم نے یہ سمجھ کر قبول کیا کہ ان سے ہماری رہنمائی ہوتی ہے خاص طور پر اس لیے بھی کہ یہ تعمیری مشورے تھے تخریبی نکتہ چینی نہیں۔

تقریب کا اختتام ایک مشاعرہ پر ہوا جس میں پنڈت آنند نرائن ملا، سرور دش طباطبائی، اثر لکھنوی، مختصر لکھنوی، نہال رضوی، ہزار لکھنوی، شاکر جودلی، شارب لکھنوی، منظر پیشاوری، رہبر لکھنوی، امین سلونوی، ساحر لکھنوی، جمال لکھنوی، اور کمال لکھنوی نے حصہ لیا۔

(قومی آواز)

ادبی مجلس کریم نگر کے اجلاس میں جناب کالوجی رامیشور راؤ کی تقریر

انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کی جانب سے بتاریخ ۲۶ر مارچ بوقت ۹ ساعت شب، بمقام ضلع پریشد کمیٹی ہال کریم نگر، بصدارت مولوی عبدالجلیل صاحب، ادبی مجلس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ورنگل کے ممتاز شاعر جناب کالوجی رامیشور راؤ شاد

صدر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع ورنگل بہ حیثیت مہمان خصوصی شریک ہوئے۔ انھوں نے اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ صرف حکومت کے سہارے کوئی زبان زندہ نہیں رہ سکتی۔ انھوں نے اردو والوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی سعی کو تیز تر کردیں تاکہ ان کی اپنی زبان ترقی کرے اور پھولے پھلے۔

جناب ابوالمکارم غازی الدین کمال کریم نگری معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر نے "آہ تلوک چند محروم" کے عنوان سے اپنا مضمون پیش کیا۔ صدر جلسہ مولوی حبیب خلیل صاحب نے مہمان خصوصی جناب رامیشور راؤ کی تشکر کرتے ہوئے کہا کہ آپ جیسے اشخاص کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہے کہ اردو کو آندھرا پردیش میں کچھ نہ کچھ آئینی موقف حاصل ہوا ہے۔

جناب کالوجی رامیشور راؤ پرشاد، حکیم ابوالنصر ناصر علی صدیقی ناصر، بسمل اللہ خاں بسمل ایم۔ اے، غفار برق، محمد ریاست علی صدیقی تاج، خواجہ معین الدین گوہر، انکسار علی انور، اور سید احمد تمنا نے اپنا کلام سنایا۔

جناب محمد ریاست علی صدیقی تاج کریم نگری معتمد ادبی مجلس کریم نگر کے شکریہ کے ساتھ اجلاس کی کارروائی کا اختتام عمل میں آیا۔

(ابوالمکارم غازی الدین کمال سکریٹری)

پٹیالہ میں "لہو ترنگ" کا خیر مقدم

پٹیالہ۔ ۴ راپریل ۶۶ء۔ گذشتہ شب انجمن ترقی اردو ماڈل ٹاؤن پٹیالہ کے زیر اہتمام شائع کردہ رزمیہ نظموں کی کتاب "لہو ترنگ" کا خیر مقدم کرنے کے لیے پٹیالہ کے مشہور و معروف عوامی رہنما جناب گوردیپ سنگھ ڈھلّن کے دولت کدہ پر ڈاکٹر بسنت رام ڈھل کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں کتاب "لہو ترنگ" شائع کرنے پر معزز شہریوں کی جانب سے انجمن ہذا کو مبارکباد پیش کی گئی اور جناب گوردیپ سنگھ ڈھلّن نے کتاب کے لیے انجمن کو مبلغ ایک سو ایک روپے بطور عطیہ مرحمت فرمائے۔ بعد ازیں ایک شاندار محفل شعر و سخن منعقد کی گئی جس میں ڈاکٹر خوشی دیو سنگھ، ڈاکٹر [illegible] ڈاکٹر محترمہ ستونت گرم سنگھ، [illegible] سردار [illegible] سنگھ شانتی، پروفیسر کرپال سنگھ بیدار، پروفیسر [illegible] سنگھ، جناب نوبہار صابر، جناب [illegible] جناب [illegible] لال کوثی نازاں، جناب مہیش پٹیالوی، [illegible] صدیقی، جناب سہیل اخگی، جناب کنور چوہان، جناب [illegible] سنگھ، جناب نردوش، جناب راج دیوانہ، جناب پریم حسرت، جناب منیش راحت نے اپنا کلام سنایا۔

آخر میں ڈاکٹر [illegible] صاحب نے شہریان پٹیالہ سے اپیل کی کہ وہ انجمن ہذا کی زیادہ سے زیادہ مالی سرپرستی فرمائیں۔

(جوہر بھارتی سکریٹری)

اودے پور میں اردو سیمپوزیم

شہر اودے پور میں انجمن ترقی اردو شاخ اودے پور کی جانب سے اور ساہتیہ اکیڈیمی راجستھان کی زیر سرپرستی اردو سیمپوزیم منعقد کیا گیا۔

۲۷ مارچ کو سیمپوزیم کا افتتاح کرتے ہوئے راجستھان کے وزیر خزانہ جناب بال کرشن کول نے کہا "میری زبان اردو ہے۔ جس زبان سے میں بنا ہوں اسی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار اچھی طرح کرسکتا ہوں"۔

سیمپوزیم کی صدارت جناب اعجاز صدیقی نے کی۔ ۲۸، ۲۹ مارچ کو سیمپوزیم کی نشستوں میں "اردو ادب میں مشترکہ تہذیب و تمدن" پر شہاب جعفری، ندا فاضلی، حامد رشید، افضل امتین، سلطان احمد، ظفر غوری اور سالک عزیزی نے مقالے پڑھے جن پر دوستانہ فضا میں بحث بھی ہوئی۔

۲۸ مارچ کو رات کے ۹ بجے بھارتی لوک کلا منڈل میں مشاعرہ ہوا جس کی صدارت جناب اعجاز صدیقی نے کی اور اناؤنسر کے فرائض ندا فاضلی نے اپنے مخصوص انداز میں ادا کیے۔ اس مشاعرے کی خصوصیت یہ رہی کہ اس میں غزلوں کے برعکس جدید نظموں کو بہت سراہا گیا۔ (نامہ نگار)

بزم اردو گوہیا کی ادبی نشست

بزم اردو گوہیا [illegible] کی ادبی نشست ۱۰ مارچ ۱۹۶۶ کو شام کے ۴ بجے جناب زندہ ناتھ ترکھا صاحب کے دولت خانے پر منعقد ہوئی۔ یہ نشست بہت دنوں کے بعد منعقد ہوئی۔ گوہیا کے بزرگ شاعر جناب امیر سنگھ بیدی نے صدارت فرمائی۔ محمد ابراہیم الدین جنرل سکریٹری بزم اردو نے اپنی رپورٹ پڑھی۔ افسوس ہے ہندوپاک میں امن کی دیوی کے پھیلتے سایوں کو شاستری جی زیادہ دیکھ سکے۔ کہتے ہوئے دل خون ہوتا ہے کہ تاشقند اعلانیہ پر دستخط کیا اور اسی رات اس عظیم ہستی کے دل کی حرکت بند ہو گئی جس نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کی ہر حرکت میں زندگی کی خوشیوں کو بھرا۔ شاستری جی خلیق منکسر المزاج، اصول پرست امن کے شیدائی، جمہوریت اور سیکولرزم کے دلدادہ اور اخلاقی قدروں کے علمبردار تھے۔ وہ آج ہم میں نہیں لیکن ان کی شخصیت کے روشن پہلو ہمارے لیے موجود ہیں۔ اراکین بزم اردو گوہیا [illegible] ان کے پس ماندگان اور خاص طور پر ان کی اہلیہ محترمہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ افسوس کہ ۷ جنوری ۱۹۶۶ کو اردو کے ایک عظیم شاعر تلوک چند محروم بھی اس دنیا سے چل بسے۔ مرحوم اردو کے ایک زبردست شاعر تھے جنہوں نے اردو کو تین نسلوں سے فیض پہنچایا ہے۔ اس شیر ادیب کے فوت ہونے سے اردو کو جس بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑا اس کی کمی بہت دنوں تک محسوس ہوتی رہے گی۔ اراکین بزم اردو گوہیا [illegible] مرحوم کے پس ماندگان اور بالخصوص ان کے صاحبزادے جگن ناتھ آزاد کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(محمد ابراہیم الدین سکریٹری)

شاخ کشمیر کی مجلس منتظمہ کا انتخاب

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کشمیر کا اجلاس عام ۳۰ مارچ ۱۹۶۶ء کو شب میں ۹ بجے مومن لائبریری میں منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض جناب مومن محمد صدیق صاحب بی۔ اے آنرز نے انجام دئے۔

سب سے پہلے سکریٹری صاحب نے رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد مجلس منتظمہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اراکین کے نام درج ذیل ہیں۔

ڈاکٹر مقر صاحب صدر، عبدالاحد خطیب صاحب نائب صدر، اقبال باقر خازن، یوسف حسین صاحب سکریٹری، محمد عمر شفق صاحب جوائنٹ سکریٹری، سکندر انصاری رکن، شاکر صاحب رکن، وسیم حیدرآبادی رکن، شبیر احمد انصاری رکن۔

انتخاب کے بعد ایک مختصر شعری نشست منعقد ہوئی۔ آخر میں سکریٹری صاحب نے حاضرین مجلس اور صدر محترم صاحب کا شکریہ ادا کیا۔　　(محمد عمر شفق جوائنٹ سکریٹری)

غالب کے ساتھ ایک شام

۵ اپریل ۶۶ء جموں و کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اردو و فارسی، زنانہ کالج سری نگر، زنانہ کالج نوا کدل، ٹیچرس ٹریننگ کالج اور ریجنل انجینئرنگ کالج کے اتحاد اور تعاون سے سیمپوزیم، نمائش، ڈرامہ اور ٹیبلوز پر مشتمل ایک خاص پروگرام "شام غالب" کے سلسلے میں کیا گیا۔

سیمپوزیم کی صدارت جناب مونس رضا صاحب نے فرمائی۔ مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبہ اردو و فارسی جموں و کشمیر یونیورسٹی نے غالب کی عظمت پر روشنی ڈالی۔ اور کہا کہ ہم ہر عظیم شاعر کی عظمت کو تین طرح سے پرکھ سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے بعد کے آنے والے شعراء پر فنی اعتبار سے کیا اثر چھوڑا۔ دوسرا یہ کہ مجموعی طور پر ادب پر اس کا کیا اثر پڑا اور تیسرا یہ کہ اس نے ناظرین کو کس حد تک متاثر کیا۔ جہاں تک غالب کا تعلق ہے وہ اس معیار پر پورا اترتے ہیں اس لئے ان کی عظمت پر کسی قسم کا شک کسی بھی طرح سے نہیں کیا جا سکتا۔

سروری صاحب کی مدلل اور پُر تاثیر تقریر کے بعد حسب ذیل حضرات نے مقالے پڑھے اور تقریریں کیں۔

(۱) جناب کمال احمد صدیقی صاحب۔ غالب ایک مطالعہ (۲) جناب ڈاکٹر شکیل الرحمن صاحب۔ غالب اپنے خطوط میں (۳) جناب ڈاکٹر کے۔ این پنڈت صاحب۔ غالب کی شخصیت (۴) جناب ڈاکٹر رمیش شرما صاحب۔ غالب ہندی میں۔

جناب قاضی غلام محمد صاحب نے غالب سے متعلق مطبوعات، ان کی تصنیفات کے مختلف ایڈیشنوں، ان کی زندگی پر بنی ہوئی فلم اور بڑے بڑے سنگیت کاروں اور موسیقاروں کی غالب کی گائی ہوئی غزلوں کے بارے میں ایک تفصیلی جائزہ پیش کرنے کے علاوہ غالب کے کلام پر مبنی ایک پیروڈی بھی پیش کی۔

سیمپوزیم میں انجینئرنگ کالج کے طلبہ نے غالب کے ساتھ غالب کی جو غزلیں گا کر سنائیں ان کو حاضرین نے بہت ہی پسند کیا نشستوں اور ہال کی ترتیب میں جناب محمد امین چشتی جوائنٹ رجسٹرار جموں و کشمیر یونیورسٹی نے بڑے سلیقے سے کی۔

اس سلسلے میں جموں و کشمیر یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری کے زیر اہتمام غالب سے متعلق مطبوعات اور ان کی تصاویر کی ایک نمائش منعقد کی گئی جس کو مہمانوں نے خاص دلچسپی اور ذوق و شوق سے دیکھا۔

شام کو زنانہ کالج سری نگر، زنانہ کالج نوا کدل اور ٹیچرس ٹریننگ کالج سری نگر کی طالبات نے مرزا غالب کی زندگی سے متعلق ایک دلچسپ ڈرامہ "دیوانہ غالب" محترمہ بلقیس فاطمہ کی ہدایت کاری میں اسٹیج کیا۔ اسٹیج کا اہتمام مسز شگفتہ رائے نے بڑی خوش اسلوبی سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ غالب کے اشعار کے ٹیبلوز مسز فریدی ٹھاکر کے زیر اہتمام پیش کئے گئے۔

وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق صاحب نے بھی اس تقریب میں خاص طور پر شرکت فرما کر اس رنگا رنگ پروگرام کو بہت پسند فرمایا۔

ڈرامہ کے اختتام پر محترمہ بلقیس فاطمہ نے پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اس ادبی اور ثقافتی تقریب کا بجا طور پر سلیقے سے اہتمام کیا اور ان کے اور دوسرے کالجوں کو اس میں شریک کیا۔

جناب عبدالقادر سروری کے شکریے کے ساتھ یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔

(سکریٹری بزم ادب)

دلی یونیورسٹی میں پروفیسر احتشام حسین کا توسیعی لکچر

دلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۱۵ مارچ [illegible] پروفیسر سید احتشام حسین صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی نے ایک توسیعی خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا عنوان "ہندوستان کا لسانی مسئلہ اور موجودہ لسانی پالیسی کے تحت اس کے مختلف حل" تھا۔ اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر نگیندر پروفیسر اور صدر شعبۂ ہندی دلی یونیورسٹی نے فرمائی۔ خطبہ سے پہلے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو نے معزز مہمان [illegible] کا خیر مقدم کیا اور ان کی خدمات [illegible] ڈاکٹر [illegible] نے اس بات پر بھی خوشی کا اظہار کیا کہ اسی سال صدر جلسہ ڈاکٹر نگیندر سنگھ کو ساہتیہ اکاڈمی کا انعام ملا ہے۔

اپنے خطبہ میں ہندوستان کی لسانی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سید احتشام حسین نے فرمایا کہ ہندوستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے بعض کی علاقائی ہے اور بعض کی کل ہند حیثیت ہے۔ ان میں سے کچھ کا ادب خاصا ترقی یافتہ ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہندی یا ہندوستانی کی حیثیت ہندوستان گیر ہے اور وہ ملک کے مختلف حصوں میں آسانی سے سمجھی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی زبان کو قانوناً قومی یا سرکاری زبان قرار دینے کی بجائے تمام زبانوں کو آزادی دی جاتی کہ وہ مکمل طور پر پھیلا پھول سکیں تو بھی اس کا قوی امکان تھا کہ مختلف علاقائی زبانیں بولنے والے اپنی خوشی سے ہندی ہی کو رابطہ کی زبان کی حیثیت سے اختیار کرتے۔ انھوں نے روس کے تجربے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں کسی ایک زبان کو دوسری پر فوقیت حاصل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود سبھی علاقے کے لوگ روسی سیکھتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مختلف قومی زبانوں کو جن میں اردو بھی شامل ہے ان کے آئینی حقوق ملنے چاہئیں۔ اس طرح مختلف علاقوں کے اور مختلف زبان بولنے والے لوگ تہذیبی وحدت اور یک رنگی محسوس کر سکیں گے۔

جلسے کے اختتام پر ڈاکٹر گیندر سنگھ نے تقریر کرتے ہوئے بعض جگہ مقرر کی رائے سے اختلاف بھی ظاہر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے لسانی مسئلہ کے سلسلے میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ دراصل جھگڑا مختلف لسانی اقلیتوں یا علاقائی زبانوں کا نہیں ہے بلکہ انگریزی اور ہندوستان کی قومی زبانوں کا ہے اور اس لیے ہم کو مختلف قومی زبانوں کے باہمی ربط پر زیادہ زور دینا چاہیے۔

(ظہیر احمد صدیقی شعبہ اردو۔ دہلی یونی ورسٹی دہلی)

منگل کے روز پارلیمنٹ کے باہر اردو کے حق میں علامتی بھوک ہڑتال

لکھنؤ ۱۸ اپریل اتر پردیش اردو محافظ دستہ کے پچاس کارکن منگل ۱۹ اپریل کے روز پارلیمنٹ کے باہر ۲۴ گھنٹہ کی علامتی بھوک ہڑتال کریں گے یہ اقدام اس مطالبہ کو تقویت دینے کے سلسلہ میں کیا جا رہا ہے کہ اردو کو یوپی کی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ دستہ کے ایک ترجمان نے بتایا کہ یوپی میں اردو کے ساتھ جو بے انصافی روا رکھی جا رہی ہے یہ بھوک ہڑتال اس کے خلاف اردو والوں کا خاموش احتجاج ہوگا مدیں اثنا گذشتہ روز اردو متحدہ محاذ کی ایگزیکٹو کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا جس میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اس میں متحدہ محاذ کے ممبروں سے کہا گیا کہ وہ آئندہ انتخاب میں صرف ان لوگوں کو ووٹ دیں کہ جو خود کو اردو کا ہمنوا ثابت کریں۔

(الجمعیۃ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا۔ پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا